خودشناسی ذریعہ ہے خداشناسی کا

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی، سابق ڈین آف تھیالوجی ڈپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بے شعور، شعور نہیں پیدا کر سکتا

جو مباحث انسان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے درمیان اس کی روح کی بحث سے زیادہ مشکل اور پیچیدہ کوئی دوسری بحث نہیں ہے انسان کے بھیجے اور دوسرے اعصاب کی ساخت اتنی نازک ہے کہ اگر ان کے مہین اور باریک پردوں اور ان ذرات میں جن سے ان کی تشکیل ہوئی ہے، کوئی معمولی سی تبدیلی ہو جائے تو وہ اپنے اہم اور نمایاں اثرات پورے جسم انسانی میں یادگار کے طور پر چھوڑ جائے گی، اسی لئے اس طرح کا آپریشن انتہائی مشکل ہے جس کا تعلق بھیجہ سے ہو۔ یہی راز ہے کہ دوسرے جسم انسانی کے اعضاء میں معرفت خدا کی اتنی نشانیاں موجود نہیں ہیں جتنی یہاں ہیں۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ مادہ پرست سائنس داں اس عجیب وغریب نظم وترتیب، باریک بینی اور باقاعدگی کو گونگے، بہرے اور ناسمجھ نیچر کی کرشمہ سازی قرار دیتے ہیں۔ شاید اس سے زیادہ تعجب کے قابل کوئی دوسری بات نہ ہو کہ ہم بے عقل اور بے شعور نیچر کو عقل وشعور کا خالق سمجھ لیں۔

غالباً انہی پہلوؤں کے باعث ایسے سائنس دانوں کے درمیان جنہیں علوم روحیہ اور نفسیات کے شعبوں میں مہارت حاصل ہے اس طرح کے اشخاص کم نظر آتے ہیں جو میٹریلزم کے طرفدار اور منکر خدا ہوں۔

کچھ دیر آسمانوں کی سیر کریں

یہ نیلا آسمان، یہ صاف وشفاف چمکتے ہوئے ستارے ہمیشہ سے انسان کی توجہ کا مرکز رہے ہیں، وہ ہر زمانے میں اس کے عجائب وغرائب کو غور سے دیکھتا رہا ہے۔

ایک زمانے میں ذی مقراطیس کی ہیئت (Astronomy) کی انسان کے دماغ کے اوپر حکومت تھی، ایک وقت فیثاغورث کی ہیئت کے اقتدار کا تھا، ایک دور آیا کہ مصریوں کی ہیئت لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئی، لیکن ان تمام مفروضات کی عمر مختصر تھی۔

بے شک بطلیموس کی ہیئت وہ تھی جس نے مکمل رواج حاصل کیا۔ اس نے دوسرے مفروضات کے بہ نسبت زیادہ عمر پائی۔ اس مفروضے کی داغ بیل بطلیموس کے ہاتھوں جناب عیسیٰ کی ولادت سے ڈیڑھ سو برس پہلے پڑی۔ تقریباً پندرہ سو برس تک علمی دنیا میں اس کے اقتدار کا سکہ چلتا رہا۔ صرف یورپ کے اہل علم اس کے زیر اثر نہیں رہے، بلکہ تمام دنیا کے ان عظیم المرتبت علماء اور فلاسفہ کے ذہنوں کو بھی اس نے اپنی طرف پورے طور سے متوجہ کر لیا جو خود بہت سے علمی مفروضات کے بانی اور حقائق ومعارف کے محرم اسرار تھے۔ انہوں نے بہت سی ایسی آیتوں اور حدیثوں کی تاویل کر ڈالی جو بطلیموس کے مفروضہ کے خلاف تھیں۔

اس مفروضے کا خلاصہ یہ تھا کہ زمین تمام عالم کے کروں کا مرکز ہے۔ ترتیب کے ساتھ کرۂ آب، کرۂ ہوا اور کرۂ آتش اسے گھیرے ہوئے ہے۔ ان چاروں کروں کے بعد نو افلاک ہیں۔ پہلے فلک میں چاند، دوسرے فلک میں عطارد، تیسرے میں زہرہ، چوتھے میں سورج، پانچویں میں مریخ، چھٹے میں مشتری، ساتویں میں زحل کی علمداری، آٹھواں فلک تمام ثوابت کا مرکز

ہے، نواں فلک، وہی فلک اطلس ہے جس میں کوئی ستارہ موجود نہیں ہے۔ بطلمیوس کے نزدیک یہ وسیع وعریض عالم انہیں چار کروں اور نو افلاک کا نام تھا۔

اس مفروضے کی عمارت کو چار آدمیوں کے تحقیقات نے گرادیا۔ ان چاروں میں سے ہر ایک نے عالم بالا کے بارے میں انسان کے معلومات کا زمین آسمان بدل دیا۔

۱۔ کوپرنکس(COPERNICUS)

ممدوح پولینڈ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ بجائے زمین کے سورج تمام سیارات کا مرکز ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تمام سیارے فضا میں لٹکے ہوئے ہیں۔ زمین ان سیارات میں سے ایک ہے جو سورج کے گرد گھومتی ہے۔ اس تحقیق نے زمین کو مرکزیت عالم کے تخت سے اتار دیا۔

۲۔ کیپلر(KEPLER)

یہ جرمنی کے باشندے تھے، انہوں نے ثابت کیا کہ جب ہر سیارہ سورج کے گرد گھومتا ہے تو اس کے خط سیر (Track) کی شکل (Elliptical) دائرے کی ہوتی ہے۔ ہر وہ سیارہ جو سورج سے زیادہ نزدیک ہے، اس کی حرکت زیادہ تیز ہے۔

۳۔ گیلیلیو(GALILEO)

ان کا وطن اٹلی تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی دوربین ایجاد کی، اس کے ذریعہ مشاہدات کرکے کوپرنکس اور کپلر کے نظریات کی تائید کی۔ انہوں نے اس دوربین کی مدد سے کچھ ایسے ستاروں کا بھی انکشاف کیا جن سے اس وقت تک دنیا روشناس نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آسمان کے اوپر جو کہکشاں ہے وہ حقیقتاً بہت سے ستارے ہیں جو ایک جگہ اکٹھا ہوگئے ہیں۔

۴۔ نیوٹن(NEWTON)

انہوں نے قوت جاذبہ (Power of Gravity) اور قوت دافعہ (Power of Repulsion) کا اصول ثابت کرکے آسمانی کروں (Globes) کی گردش کو ایک ہمہ گیر قانون کے تحت قرار دیا۔ انہوں نے ان دو قانونوں کے ذریعہ اس راز کے چہرے سے پردہ ہٹایا کہ کیوں کر اور کس طرح یہ بے شمار آسمانی کرات بغیر کسی ظاہری ستون کے اس فضا میں آویزاں ہیں اور آپس میں ٹکراتے نہیں ہیں۔ یہ سب قوت جاذبہ اور قوت دافعہ کا کرشمہ ہے۔

عالم خلقت کی وسعت

اس عالم کی وسعت اس سے بالاتر ہے کہ اس کا اندازہ میٹر اور کلومیٹر سے کیا جاسکے۔ اسی طرح اجرام سماویہ کی تعداد بھی انسان نہیں جان سکتا۔ حقیقی تعداد بس علم خدا میں ہے، اسی لئے انسان نے ان ستاروں کے ایک دوسرے سے فاصلے معین کرنے کے لئے ایک دوسرا پیمانہ مقرر کیا ہے، یہ پیمانہ روشنی کی سرعت رفتار ہے جو ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر مسافت طے کرتی ہے۔ اس وقت ہمیں زیادہ تعجب ہوتا ہے جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارا یہ عظیم الشان سورج ستاروں کی ایک بہت بڑی آبادی میں سے ایک ستارہ ہے۔ اس آبادی کا نام کہکشاں ہے جس میں تقریباً ایک لاکھ ملین ستارے ہیں، پھر یہ کہکشاں ایک عدد نہیں بلکہ لاکھوں کہکشائیں موجود ہیں۔ یہ ہمارا پورا نظام شمسی اور لاکھوں ستارے ایک عدد کہکشاں کا جز ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا سائنسداں نہیں جانتا کہ ان کہکشاؤں کی تعداد کیا ہے۔ جب بھی کوئی طاقتور دوربین ایجاد ہوتی ہے تو بہت سی نئی کہکشاؤں کا پتہ چل جاتا ہے۔ ان میں سے بعض ہم سے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی زمین تک پہنچنے کے لئے لاکھوں برس کی طویل مدت درکار ہے۔ کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے جسے روشنی دو دو سو اور تین تین سو برس میں طے کرتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ایسی ایسی تیز رفتار فضائی کشتیاں تیار کی گئی ہیں جنہوں نے چھ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ مسافت طے کرکے تین دن یا اس سے کم مدت میں ہماری زمین کے پڑوسی چاند کی سطح پر قدم رکھ دیا ہے، لیکن چاند کو زمین سے چپکا ہوا سمجھنا چاہیے،

کیونکہ اس کی روشنی ڈیڑھ سیکنڈ سے بھی کم وقت میں زمین تک پہنچ جاتی ہے، لیکن اگر یہی فضائی کشتی اسی رفتار سے حرکت کر کے منظومۂ شمسی کے ایک دوسرے کرے مشتری تک پہنچنا چاہے تو اس میں تیس برس لگ جائیں گے جو سورج سے ۷۷۸ ملین کلو میٹر اور ہماری زمین سے ۶۲۸ کلومیٹر دور ہے۔ اگر اسی فضائی کشتی کو اس منظومۂ شمسی کے آخری ممبر اور زمین کے سب سے دور پڑوسی کا دیدار منظور ہو جس کا نام پلوٹو (PLUTO) رکھا گیا ہے تو وہ اس تک ۲۸ رسال میں پہنچے گی۔ اگر اسی فضائی کشتی کو ہم لوگ اس ستارے تک پہنچ کر لوٹنے کا ذریعہ قرار دیں جو ہمارے منظومۂ شمسی سے باہر، لیکن دوسرے ستاروں کی بہ نسبت سب سے زیادہ نزدیک ہے تو ۲۰ رلاکھ سال کی مدت درکار ہے، جس کے لئے انسان کی عمر کافی نہیں ہے۔ ثوابت میں سب سے قریب ستارہ وہی ہے جس کا نام پروکسیما (PROXIMA) ہے اور جس کی روشنی چار سال چار مہینے میں ہم تک پہنچتی ہے، جب کہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ نور ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر مسافت طے کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان عظیم الشان سیارات اور ثوابت کے مقابلے میں انسان اپنے کو ایسا حقیر پاتا ہے کہ شرمندگی اور خجالت سے اس کا سر جھک جاتا ہے۔ نہ قلم میں اتنی طاقت اور نہ اس کتاب کے محدود صفحات میں اتنی وسعت ہے کہ اس عالم بالا کے نظم وضبط کا ایک گوشہ بھی مکمل طور سے ہمارے سامنے لا سکے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سمندر کا تمام پانی الچا جانا غیر ممکن ہے، لیکن اس کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ سمندر کے پاس سے پیاسا شخص یونہی لوٹ آئے۔ بہر حال پیاسے آدمی کو اپنی پیاس تو کسی طرح سمندر سے بجھا لینا ہی چاہیے۔ یہ بجا ہے کہ تمام عالم کا کیا ذکر، اس منظومۂ شمسی کے نظام کو بھی تفصیل سے نہیں بیان کیا جا سکتا، مگر ان محدود صفحات میں اتنی گنجائش تو ہے کہ اس کا کوئی ایک گوشہ بیان کر دیا جائے، تا کہ اس طرح خالق کے غیر محدود علم وقدرت کا کچھ نہ کچھ اندازہ کیا جا سکے۔

نظام شمسی اور معرفت خدا

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظام شمسی کے حیرت انگیز نظم وضبط کے سلسلے میں کچھ باتیں عرض کر دی جائیں جو اس کے خالق کے علم واقتدار کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس عالم بالا کے دامن میں نظم وضبط کے بے شمار نمونے موجود ہیں، لیکن ہم اس مقام پر ان میں سے چند چیزوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان آسمانی کروں کی خلقت کسی صاحب عقل وشعور ہستی کے اشارے سے ہوئی ہے۔

۱۔ ہمہ گیر قوت جاذبہ

عمومی اور ہمہ گیر قوت جاذبہ سے مراد یہ ہے کہ تمام اجسام آپس میں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یہ اصول اتنا ہمہ گیر ہے کہ کوئی جاندار اور بے جان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اجسام کے درمیان فاصلہ جتنا کم ہوگا اتنا ہی وہ ایک دوسرے کو شدت سے اپنی طرف کھینچیں گے۔ یونہی ان کی جسمانیت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی ان میں پائی جانے والی قوت جاذبہ بھی زیادہ ہوگی۔

اس ہمہ گیر قوت جاذبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام آسمانی اور زمینی اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں اور ان کا نظام درہم برہم ہو جائے، لیکن اس قوت کے علاوہ ان اجسام میں ایک دوسری قوت بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر اپنے مرکز سے فرار کرنے کی طاقت بھی موجود ہے۔ یہ تمام ایسے اجسام کے پاس ہے جو گھومتے اور چکر لگاتے ہیں۔ اس نظام شمسی میں توازن کے برقرار رہنے کا موجب یہی مرکز سے بھاگنے کی قوت ہے، جسے ہم قوت دافعہ (POWER OF REPULSION) کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔

تمام اجسام کے اندر قوت جاذبہ اور قوت دافعہ کو کچھ ایسے صحیح اندازے کے ساتھ ودیعت کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو دوسرے پر غلبہ نہیں حاصل ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں کے درمیان

برابری نہ ہوتی اور قوت جاذبہ کو غلبہ حاصل ہوتا تو تمام سیارات اپنے مرکز سورج کی طرف جذب ہوجاتے۔ اسی طرح اگر قوت دافعہ (POWER OF REPULSION) کا پایہ بھاری ہوتا تو تمام سیارات رفتہ رفتہ اپنے مرکز سے دور ہوکر تباہ و برباد ہوجاتے۔

اس اعتدال اور توازن کا سرچشمہ کیا ہے؟ ان سیاروں کے حجم (VOLUME) فاصلے اور تیز رفتاری کے بارے میں انتہائے سوجھ اوجھ سے کام لینا۔ اگر کسی سیارے کا اپنے مرکز سے فاصلہ کم یا زیادہ ہو جائے، یونہی اگر اس کا حجم (VOLUME) یا اس کی سرعت رفتار کہ جس سے قوت دافعہ (POWER OF REPULSION) پیدا ہوتی ہے گھٹ جائے تو یہ نظام شمسی تباہ و برباد ہوجائے گا۔

مثلاً کرۂ زمین اور سورج کے درمیان اوسط فاصلہ ۱۵۰ ملین کلومیٹر ہے۔ اس کو روشنی کہ جس کی رفتار ۳/لاکھ کلومیٹر فی سکنڈ ہے تقریبا آٹھ منٹ میں طے کرتی ہے۔ یہ کرۂ زمین کہ جو نباتات اور جانداروں کا مرکز ہے اسے سورج سے انتہائی مناسب فاصلے پر رکھا گیا ہے۔ اگر اس میں تھوڑی سی کمی یا زیادتی ہوتی تو کوئی پودا اور جاندار روئے زمین پر باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

اگر زمین کا سورج سے فاصلہ موجودہ فاصلے سے کم ہوتا تو اس روشنی اور گرمی کے سرچشمے کی غیر معمولی حرارت کی وجہ سے تمام زندہ سیل (CELL) ہلاک ہوجاتے اور کرۂ زمین پر زندگی کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ اسی طرح اگر زمین کا فاصلہ سورج سے موجودہ فاصلے کی بہ نسبت زیادہ ہوتا تو اس کی غیر معمولی ٹھنڈک کسی جاندار کے لیے زندہ رہنے کا امکان باقی نہ رکھتی۔

۲۔ روشنی اور گرمی کی مقدار

تمام ستارے شمع کی طرح جلتے اور گھلتے جارہے ہیں۔ مرکز عالم سورج روشنی اور گرمی پیدا کرنے کے لئے ہر سیکنڈ میں ۶۶۰ ملین ٹن ہائیڈروجن جلا رہا ہے۔ اتنی بڑی مقدار میں ہائیڈروجن صرف کرنے کی وجہ سے اس کے دم قدم سے بہت بڑی مقدار میں نور اور حرارت کی کرنیں اس فضا میں پھیل رہی ہیں۔ نو سیاروں اور ۳۲ چاندوں میں روشنی اور گرمی اسی آفتاب کا فیض ہے۔ چھ ہزار ملین کلومیٹر کے وسیع حدود میں اسی سورج کے نور اور حرارت کی عملداری ہے۔ سورج یہ خدمت ایک دو سال سے نہیں، تقریباً پانچ ہزار ملین سال سے انجام دے رہا ہے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ زندگی، انرجی، روشنی اور گرمی کا خزانہ خود بخود وجود میں آگیا ہے؟

سورج کے ۶۶۰ ملین ٹن ہائیڈروجن کے جلانے کی وجہ سے اتنی گرمی اور روشنی پیدا ہوتی ہے کہ وہ ہر سیکنڈ میں نور اور حرارت کی بہت بڑی مقدار فضا میں پھیلاتا ہے۔ اگر وہ اس سے کم یا زیادہ ہائیڈروجن کی مقدار جلاتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والی حرارت کی مقدار کچھ دوسری ہوتی۔ ہائیڈروجن کی اتنی ہی مقدار جلانا جس سے اتنی ہی گرمی پیدا ہو جس کے ساتھ روئے زمین پر زندگی بسر کرنا ممکن ہو کسی بے شعور سبب کا عمل نہیں ہوسکتا۔ کوئی منصف مزاج اور سلیم الطبع شخص اس حکیمانہ نظام، ان باریک اور نازک حسابات کو جو انسان کے حدود عقل سے باہر ہیں بے شعور اتفاقات کی پیداوار نہیں کہہ سکتا۔

۳۔ منظم حرکتیں

مدار زمین کی مسافت تقریباً ۹۴۲ ملین کلومیٹر بتائی گئی ہے، وہ ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴ سیکنڈ میں اسے طے کرتی ہے، یعنی اس مدت میں وہ ایک دفعہ سورج کے گرد طواف مکمل کرلیتی ہے۔ اس طرح وہ پورے سال میں ۳۶۵ مرتبہ خود اپنے گرد گھومتی ہے۔ اس کی یہ دونوں حرکتیں اتنی منظم ہیں کہ کبھی اس کے خلاف اب تک نہیں ہوا ہے۔

مختلف قسم کے پتھروں پر تجربات کرنے سے سائنسداں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس ہمارے گہوارۂ زندگی کرۂ زمین کو وجود میں آئے ہوئے تین ہزار ملین سال گزر چکے ہیں۔ اتنی طویل مدت سے وہ منظم طور پر دو طرح کی گردشیں کررہی ہے۔

تمام سیارات اور چاند اپنے اپنے مدار (ORBIT) میں

اس طرح منظم طور سے حرکت کر رہے ہیں کہ کبھی وہ اپنے خط سیر (TRACK) سے باہر قدم نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کبھی ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس عالم کی خلقت میں کسی عظیم صاحب عقل وشعور، صاحب علم وقدرت ہستی کی کارسازی کا دخل ہے۔ بے شمار ذروں کے اتفاقاً اکٹھا ہوجانے سے ایسا مکمل نظم وضبط وجود میں نہیں آسکتا۔

۴۔زمانے کے اندازے کا ذریعہ

انسان نے مختلف طرح کی گھڑیاں بنابنا کے گزرتے ہوئے زمانے کے ناپنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ساعت سازی کے فن نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ایسی گھڑیاں بھی بن گئی ہیں جو ایک عدد سیکنڈ کا ملین واں حصہ بھی معین کرسکتی ہیں، لیکن ان ترقیوں کے باوجود انسان اب تک کوئی ایسی گھڑی نہیں بنا سکا ہے جو ہر عیب ونقص سے پاک ہو۔تمام گھڑیاں ایک مدت تک کام کرنے کے بعد ۲۴ گھنٹے میں ایک سیکنڈ سست یا تیز ہوجاتی ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ موسم بدلنے کی وجہ سے حرارت اور رطوبت کا درجہ بدل جاتا ہے۔ اصولاً گرمی تمام اجسام کو پھیلا دیتی اور سردی انہیں سمیٹ دیتی ہے۔گرمی کے موسم میں گھڑی کے بعض پرزوں کے لمبے ہوجانے کی وجہ سے اس کی سوئی سست رفتار سے حرکت کرتی ہے۔اس کے برخلاف جاڑے کے موسم میں اس کے بعض پرزوں کا قد وقامت گھٹ جاتا جس کی بنا پر اس کی سوئی کی حرکت تیز ہوجاتی ہے، لیکن زمین ایک ایسی گھڑی ہے جس کی منظم حرکتیں سال اور دن بالکل صحیح طور سے بتاتی ہیں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تین ہزار ملین سال سے یہ گھڑی کام کررہی ہے، مگر اس میں اب تک کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی ہے۔

صرف زمین قدرتی، خود کار (AUTOMATIC) گھڑی نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے مدار (ORBIT) میں یہ تمام سیارات اور ان کے چاند ایسی گھڑیاں ہیں جو سالہا سال سے نہایت صحیح طور پر وقت بتا رہی ہیں۔ انہیں ان کی حرکت وضعی (ROTATION) کے اعتبار سے دن رات کا بتانے والا اور حرکت انتقالی (REVOLUTION) کے لحاظ سے سال کی نشاندہی کرنے والا کہا جاسکتا ہے۔

دوسری واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ نظام شمسی کی یہ عظیم سلطنت جو چھ ملین کلومیٹر کے حدود میں پھیلی ہوئی ہے گھڑی کے ایک بہت بڑے ڈائل کے مانند ہے جس کے وسط میں سورج کی عظیم الشان سوئی لگی ہے۔اس کے علاوہ سیارات کی نو دوسری سوئیاں اور ۳۲/ چاندوں کی چھوٹی چھوٹی سوئیاں اس ڈائل کے مختلف کونوں پر لگی ہیں۔ان سوئیوں کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں میں سال اور دن رات معین کرتی ہیں۔ برسہا برس گذر چکے ہیں، لیکن ان میں کبھی کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی ہے۔

کیا یہ کہنا معقول ہے کہ یہ عظیم الشان گھڑی اور اس کی عالمگیر سوئیاں خود بخود وجود میں آگئی ہیں، کسی صاحب عقل ذات کا ان کی پیدائش میں کوئی دخل نہیں ہے، جب کہ کوئی عقل مند ان عام معمولی گھڑیوں کی بابت یہ بات ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوسکتا ہے۔

یقیناً مختلف مداروں میں سیارات کی گوناگوں حرکتیں خدا کی حکیمانہ تدبیر کی نمایاں نشانی ہیں۔کسی سیارے کے مدار کے چھوٹے اور بڑے ہونے کا تعلق نظام شمسی کے مرکز سے اس کے فاصلے کی مقدار کے ساتھ ہے، جتنا اس کا فاصلہ مرکز سے کم ہوگا اتنا ہی اس کا مدار بڑا ہوگا تمام سیاروں میں یہ نسبت (RELATIONSHIP) محفوظ ہے۔نظام شمسی کے تمام ممبران میں وہ ایک آفاقی اور مستقل نسبت کی حیثیت سے پائی جاتی ہے۔

کسی سیارے کی حرکت کے تیز اور سست ہونے کا تعلق سورج سے اس کی دوری کے ساتھ ہے، جتنا کسی سیارے کا فاصلہ سورج سے کم ہے، اتنی ہی اس کی حرکت تیز ہے، وہ اپنے مدار کی مسافت کو تیزی سے طے کرتا ہے۔ اس کے برخلاف

فاصلہ جتنا زیادہ ہے، وہ اپنے مدار کی مسافت کو سستی سے طے کرتا ہے۔ اس اصول کے مطابق عطارد کہ جو ہمارے نظام شمسی کا نزدیک ترین سیارہ ہے اپنے مختصر اور چھوٹے سے مدار کو تقریباً ۴۷رکلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے ۸۸۶ردن میں طے کرتا ہے، جب کہ کرۂ زمین تقریباً ۱۹رکلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے ۳۶۵دن، ۵رگھنٹے، ۴۸رمنٹ اور ۴۰رسیکنڈ میں نسبتاً بڑے مدار کو طے کرتا ہے۔

۶۔ کبھی ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے

تمام سیارے اور چاند اپنے اپنے مدار میں اس طرح منظم طور سے حرکت کر رہے ہیں کہ کبھی اپنے خط سیر (ITINERARY) سے باہر قدم نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کبھی ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے، حالانکہ علم ہیئت (ASTRONOMY) کے ماہرین کبھی کبھی پیش گوئی کرتے ہیں کہ مریخ اور مشتری کے مداروں کے درمیان جو سیارات واقع ہیں، ان میں سے فلاں سیارہ فلاں وقت کرۂ زمین سے ٹکرا کر انسانی زندگی کی بساط کو الٹ دے گا۔ بہت سے لوگ اس خبر کو سن کر مضطرب اور بے چین ہو جاتے ہیں، لیکن آج تک اس قسم کی کوئی پیش گوئی صحیح نہیں ثابت ہوئی ہے۔ وہ دن بھی آیا اور وہ وقت بھی آ کر گزر گیا، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ تصادم کے معین وقت سے چند گھنٹے پہلے اس سیارے نے اپنا راستہ بدل دیا اور وہ زمین سے دور ہو گیا ہے۔

یہ مدار اور حرکت کے لحاظ سے دقیق، باریک اور نازک نظام، یہ کبھی کوئی چھوٹا سا بھی تصادم اور ٹکراؤ نہ ہونا اس بات کا طاقتور شاہد ہے کہ اس عالم کی خلقت میں کسی عظیم صاحب عقل و ارادہ ہستی کی کارسازی کا دخل ہے۔ بے شمار ذرات کے اتفاقی طور پر اکٹھا ہو جانے سے اس مکمل نظم و ضبط کا کیا ذکر، اس کا کروڑواں حصہ بھی نہیں پایا جا سکتا ہے۔

تمام سیارات اور چاندوں، حتی کہ خود سورج میں بھی حرکت وضعی (ROTATION) پائی جاتی ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے گرد چکر لگا رہا اور گھوم رہا ہے، یہ سب ایک رخ پر حرکت کر رہے ہیں۔ سب کے سب مغرب سے مشرق کی طرف تیرتے چلے جا رہے ہیں۔ آیا یہ ہم آہنگی اور ہم جہتی (COORDINATION) اتفاقات کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ توجہ کے قابل یہ نکتہ بھی ہے تمام سیاروں کی حرکت انتقالی (REVOLUTION) کے مدارات (ORBITS) کی ہندسی (GEOMETRCAL) شکل ایک ہے، سب کے سب سورج کے گرد ایک بیضوی (ELLIPTICAL) مدار کے اندر گردش کرتے ہیں۔ جو بات اتفاقات کا نتیجہ ہو اس میں دائمی اور ابدی وحدت (UNITY) کا پایا جانا بہت بعید ہے۔

۷۔ ان کا دائمی نظام سائنسی انکشافات کا وسیلہ ہے

علم ہیئت (ASTRONOMY) کے ماہرین کرۂ زمین اور دوسرے ثوابت وسیارات کے متعلق نہایت وسیع اطلاعات رکھتے ہیں۔ ان کی حرکت انتقالی (REVOLUTION) اور حرکت وضعی (ROTATION) کے ذریعہ وہ سیکڑوں برس پہلے ستاروں کے حالات کی بابت پیش گوئی کر سکتے ہیں، وہ اپنے معلومات کی بدولت بتا سکتے ہیں کہ چاند یا سورج کو کب گہن لگے گا؟

اس طرح کی صحیح پیشگوئیاں محض اس نا قابل تغیر نظام کی وجہ سے کی جا سکتی ہیں جو تمام آسمانی اجرام میں پایا جاتا ہے۔ یہ سب ان کی منظم حرکتوں کا طفیل ہے جن میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

ان اجرام کی حرکتیں اس طرح منظم اور صحیح ہیں کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی سیارے کی حرکت میں تھوڑا سا خلل پڑ جانا کسی نئے سیارے کے انکشاف کا سرچشمہ بن گیا ہے۔ سائنسدانوں کا ذہن منتقل ہوا کہ اس سیارے کی حرکت کے سست ہو جانے کا سبب اس کے قرب و جوار میں کسی دوسرے سیارے کی موجودگی ہے، وہ اس کی رفتار پر اثر انداز ہوا ہے۔

علم ہیئت کے ماہرین نے ارنیس (URANUS) کے وجود کا انکشاف کرنے کے بعد اس کے مدار (ORBIT) کا

حساب لگانا شروع کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس میں تھوڑی سی کجی ہے۔ اس کے علاوہ جس رفتار سے اسے حرکت کرنا چاہئے، وہ اس سے سست حرکت کررہا ہے۔ اس معمے کو ایک فرانسیسی سائنسداں نے حل کیا۔ اس نے گہری تحقیق کے بعد اس کے نتیجہ سے علمی حلقوں کو مطلع کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ میرا خیال ہے کہ ایسے کسی سیارے نے جس کا ہمیں پتہ نہیں ہے ارنیس کی حرکت میں خلل اندازی کی ہے۔ اس سیارے کو ارنیس اور سورج کے بیچ میں نہیں، بلکہ مدار ارنیس کے اس طرف ہونا چاہئے، کیونکہ اس کا مدار زحل کے اوپر بالکل کوئی اثر نہیں ہے۔ اس سائنسداں نے حساب کرکے اس سیارے کا وہیں پر انکشاف کیا جس جگہ کو پہلے سے معین کردیا گیا تھا۔ اسی کا نام نیپچون (NEPTUNE) قرار دیا گیا ہے۔

موجودہ نظام شمسی کے آخری نمبر پلوٹو (PLATO) کے انکشاف کی روداد بھی اسی طرح کی ہے۔ ارنیس اور نیپچون (NEPTUNE) کی مخصوص حرکت میں سائنسدانوں نے تھوڑا سا فرق محسوس کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ان دونوں سیاروں کی حرکت کچھ سست ہے۔ اسے محسوس کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ان دونوں سیاروں کے اس طرف اصولاً کوئی سیارہ ہونا چاہئے جس کی قوت جاذبہ کا اس کی حرکت پر اثر پڑ رہا ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۹۳۰ء میں ایک نئے سیارے کا انکشاف ہوا اور سائنسدانوں کی پیشگوئی بالکل حقیقت کے مطابق ثابت ہوئی۔

اس طرح کی پیشگوئیوں کا سبب کیا ہے؟ یہی کہ ان اجرام آسمانی کی حرکت انتہائی منظم ہے، اسی لئے اگر کبھی علم ہیئت کے ماہرین کو اس میں معمولی سا فرق محسوس ہوتا ہے تو وہ کان کھڑے کرتے اور اس کے سبب کی چھان بین کرنے لگتے ہیں۔ نظام شمسی میں جو نظم وضبط پایا جاتا ہے، وہ عالم بالا کے عظیم الشان نظام کا ایک نمونہ ہے۔ اسے دیکھنے کے اس کے سامنے ایک عظیم اور وسیع تر عالم آجاتا ہے، وہ عالم جوار بوں دوسرے منظومات شمسیہ اور چمکتے ہوئے ستاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ ہمارا نظام شمسی ویسا ہی حقیر ہے جیسے کسی بڑے سمندر کے مقابلے میں ایک ننھا سا پانی کا قطرہ اور کرۂ زمین کے سامنے ایک چھوٹا سا رائی کا دانہ!

علماء ہیئت کہتے ہیں کہ ستارۂ شعریٰ (DOGSTAR) نو سال نوری ہم سے دور ہے۔ اگر کوئی شخص بالفرض وہاں پہنچ جائے اور ہمارے منظومۂ شمسی کی طرف نگاہ کرے تو تمام سیاروں اور چاندوں میں سے اسے فقط سورج دکھائی دے گا، وہ بھی چمکتے ہوئے ایک نقطے کی صورت میں، لیکن اگر کوئی خوش قسمت ستارۂ قطبی (NORTHSTAR) تک پہنچ جائے جو ہم سے تین سو سال نوری دور ہے تو اسے اس منظومۂ شمسی میں سے کوئی ستارہ نظر نہیں آئے گا۔

اگر انسان علم ودانش کے پروں کے ذریعہ اڑ کر تھوڑا سا اس نظام شمسی کے حدود سے نکل جائے، ان کروڑوں ستاروں سحابیوں، کہکشاؤں کو غور سے دیکھے اور ان کے حیرت انگیز نظام سے واقف ہو تو بے اختیار ہو کر ان اجرام اور ان عجیب وغریب نظم وضبط کو پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کے لئے سر جھکا دے گا۔ وہ فیصلہ کرے گا اور پوری طاقت سے فیصلہ کرے گا کہ اتفاقات کو غیر معمولی نظم وضبط کا سرچشمہ قرار دینا ایک ایسی بات ہے جو ہرگز قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ وہ قرآن مجید کی اس حیقیقت آگیں آیت کو گنگنا کر پڑھے گا اور اس کا دل اس کی تصدیق کرے گا:۔

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُوْلِي الْاَلْبَابِ ''اور یقینا کرۂ زمین اور اس کے علاوہ تمام آسمانوں کی خلقت میں، دن اور رات کے برابر ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے رہنے میں تمام صاحبان عقل کے لئے خدائے دانا وتوانا کے وجود کی نشانیاں ہیں۔'' (آل عمران۔۱۹۰)

(جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔)